© rasailojaraid.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نظرات

آہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری!

پچھلے دنوں ہندوستان نے اس خبرِ وحشت اثر کو نہایت رنج واندوہ سے سُنا کہ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد بہاری چند روز کی علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے رحلت فرماگئے۔ خبر چونکہ بالکل غیر متوقع طور پر ملی تھی اس لیے فرطِ حزن و الم نے حیرت کی صورت اختیار کرلی یعنی ہم یہ جانتے ہیں کہ ہماری بزمِ علم وعمل کا کوئی لعلِ شب چراغ گم ہوگیا ہے لیکن اس احساس کے باوجود تحیر کی فراوانی ہم کو رخصتِ گریہ اور فرصتِ نوحہ بھی نہیں دیتی۔

مولانا ابوالمحاسن محامدِ اخلاق اور محاسن فضائل کے جامع تھے۔ فکر ونظر، علم وعمل، محنت و دیانت، تفقہ و تدبر، انتہائی جفاکشی، خلوص و للّٰہیت۔ ان سب اوصاف کے بیک وقت جمع ہونے نے اُن کی ذات کو ایسا گلدستۂ خوبی بنادیا تھا کہ وہ "اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم" کا مصداق بن گئے تھے۔ اور اُن پر "ابوالمحاسن" کی کنیت واقعی طور صادق آتی تھی، ہندوستان میں کوئی قومی اور مذہبی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں مولانا نے پورے جوش وخروش کے ساتھ حصہ نہ لیا ہو۔ اور اس میدان میں اپنے ساتھیوں سے پیش پیش نہ رہے ہوں۔ سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اُن کا دماغ نہایت دقیقہ رس اور معاملہ فہم تھا۔ وہ موضوعِ فکر کے ایک ایک پہلو پر بڑی سنجیدگی اور عالی ہمتی کے ساتھ غور وخوض کرتے تھے اور اُس میں ایسی ایسی باریکیاں پیدا کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ وہ عملاً بڑے جری اور بہادر تھے لیکن اُن کا دماغ انتہائی جوش وخروش کے عالم میں بھی کبھی مغلوب نہیں ہوتا تھا۔ جذبات کی گرمی کے ساتھ وہ ہر معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تھے حق یہ ہے کہ جماعتِ علماءِ ہند میں وہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے گوہرِ یکتا تھے۔ بقول کسی کے وہ ہر شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی قائم مقامی کرسکتے تھے لیکن اُن کی قائم مقامی کوئی نہیں کرسکتا۔ فواحسرتا کہ ہماری انجمن کا یہ گلِ سرسبد آج خزاں دیدہ ہوکر آغوشِ لحد میں آسودۂ سکون ہے۔

⁂

مولانا صوبۂ بہار کے ضلع پٹنہ میں پھنسیا ایک موضع ہے وہاں پیدا ہوئے۔ درسی تعلیم مولانا عبدالوہاب اور مولانا عبدالکافی الہ آبادی سے حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند آکر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے۔ چونکہ جوہرِ قابل رکھتے تھے اس لیے حضرت شیخ الہندؒ کے درس اور اُن کی صحبتوں نے مولانا کو فنِ حدیث میں درک کے ساتھ ساتھ ایک زبردست سیاسی مفکر اور انقلابی مجاہد بھی بنا دیا۔ تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے گیا میں ایک مدرسہ انوار العلوم کے نام سے قائم کیا، جہاں آپ عرصہ تک درس دیتے اور طلباء میں علم وعمل کی روح پھونکتے رہے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی جس کا سیاسی اثر تمام عالمِ اسلام پر پڑنے والا تھا۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ اپنے چند خادموں سمیت مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں سے گرفتار کرکے مالٹا میں نظربند کردیے گئے تو مولانا ابوالمحاسن نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کرکے علماء، صوفیاء اور تعلیم یافتہ لوگوں کو اُن کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور اُن کو تحریکِ آزادی میں شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ ۱۹۱۷ء میں مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ نے جمعیۃ العلماء بہار کی طرح ڈالی۔ آپ کے اتباع میں دوسرے صوبوں کے علماء نے بھی اس طرف توجہ کی اور صوبائی جمعیۃ العلماء قائم کرکے اپنی تنظیمی جدوجہد کا آغاز کردیا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے بہار میں امارت شرعیہ قائم کی۔ اس کے ماتحت ایک محکمہ قضا اور دوسرے محکمے مثلاً محکمہ تعلیم، شعبہ تبلیغ اور بیت المال بھی قائم کیے گئے۔ مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ اسی طرز کی شرعی امارتیں دوسرے صوبوں میں قائم ہوجائیں اور اس طرح مسلمانوں کا ایک اسلامی نظام معاملات رواج پاجائے لیکن افسوس ہے کہ حالات کی ناموافقت کے باعث اُن کی کوششیں بارآور نہ ہوسکیں۔ ۱۹۲۰ء و ۱۹۲۱ء کا زمانہ تحریکِ خلافت کے شباب کا زمانہ تھا۔ مولانا نے اس میں بھی بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ ۱۹۲۵ء میں انہوں نے مرادآباد کے سالانہ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند کی صدارت کی۔ اس موقع پر آپ نے جو طویل اور پُرازمعلومات خطبہ صدارت پڑھا تھا وہ آپ کے تفقہ اور تدبر کا آئینہ دار ہے۔ مولانا میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی جماعت کی پارٹی پالیٹکس سے کبھی مرعوب ہوتے تھے۔ اُن کے نزدیک جو بات حق ہوتی تھی اُس کو برملا کہتے تھے۔ وہ ہندوستان کی آئینی ترقی کے سلسلہ میں کانگریس کے پرجوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حامی تھے، مگر اُنہوں نے کبھی کانگریس کو اُس کی غلطیوں پر تنبیہ کرنے میں تساہل نہیں کیا، وہ گاندھی جی کے عقیدۂ عدم تشدد کے بھی بہت بڑے نقاد تھے۔ اسمبلی کا خلع ایکٹ جو کاظمی ایکٹ کے نام سے مشہور ہے مولانا ہی کی کوشش سے بنا۔

اُردو زبان کے متعلق بہار اسمبلی کا فیصلہ، قربانیِ گاؤ کے سلسلہ میں حکومت کا معقول طرزِ عمل، یہ سب آپ کی خدمات کا نتیجہ تھا، ایک دفعہ قربانیِ گاؤ کے متعلق ہندوؤں کے مطالبات کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر راجندر پرشاد سے برملا آپ نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے:-

"سال بھر میں صرف ایک دفعہ گائے کی قربانی سے ڈاکٹر صاحب کا خون کھول جاتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مسلمان جب بازاروں میں، دریاؤں کے کنارے اور آبادی میں گزرتا ہے تو ہر قدم پر اُس کا خون کھولتا ہے جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ اُس کے محبوب خدا کی تحقیر کی جا رہی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کہیں پتھروں اور مورتیوں کو پوجا جا رہا ہے، کہیں دریا کی موجوں کی پوجا ہو رہی ہے اور کہیں درخت کے پتوں کے سامنے اشرف المخلوقات انسان جھک رہا ہے لیکن مسلمان ان سب کو اس لیے برداشت کرتا ہے کہ اب تک وہ اس سلوک کا عادی ہے جو حکمراں ہونے کی حیثیت سے اُسے غیر مذاہب کے ساتھ کرنا چاہیے
اگر ہندو مطالبہ کرتے ہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کر کے اُن کے جذبات کا احترام کریں تو اُنہیں غیر اللہ کی پرستش چھوڑ کر مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنا پڑیگا۔"

آہ صد آہ! کہ مسلمانانِ ہند کی یہ متاعِ گرانمایہ اُن سے ۱۷ شوال ۱۳۵۹ھ بروزِ دوشنبہ ہمیشہ کے لیے چھین لی گئی۔ اچھا مرنے والے رخصت! تو جا اور اپنے ساتھ ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں کی حسرت نصیب آرزوؤں اور تمناؤں کو بھی لیتا جا! شاید ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی تجھ سے برداشت نہ ہو سکی کہ تو یہاں سے گھبرا کر اب خدا کی بارگاہ میں اُن کی طرف سے فریاد کرنے جا رہا ہے۔ لیکن تو نے ہم میں اسلامی حریت و آزادی اور عملی جدوجہد کی جو گرم روح پیدا کر دی ہے وہ ہم کو تیرے بعد بھی شعلۂ سوزاں و تپاں کی طرح بے قرار رکھیگی اور ہمارے کاروانِ طلب کا جب بھی کوئی قدم منزلِ مقصود کی طرف بڑھیگا تیرے نقشِ پاکی یاد سے خالی نہ ہوگا۔ ربّ السماء والارض تجھے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے تو یہاں ہمیشہ مسلمانوں کے غم میں پریشاں حال رہا۔ خدا تجھے اپنے دامانِ رحمت میں ایک مقامِ جلیل و عظیم عنایت فرمائے کہ اس زندگی کو تو نے اعلائے کلمۃ اللہ اور اعلانِ حق کے لیے ہی وقف رکھا۔ آمین

دہلی میں یادگارِ شیخ الہندؒ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مدظلہ العالی نے جو فلسفۂ شاہ ولی اللہ کے ماہرِ خصوصی اور نہ صرف ہندوستان کے بلکہ تمام دنیائے اسلام کے ایک نامور مفکر ہیں ایک سال کے غور و خوض کے بعد جامعہ نگر دہلی کے متصل "بیت الحکمۃ" کے نام سے ایک درسگاہ کا افتتاح کیا

© rasailojaraid.com